قبالہ

پروفیسر منور حسین چیمہ
گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ

قبالہ کے معنی ٹھیکہ اور ضمانت کے ہیں۔ قبالہ اور ضمان ایک ہی مفہوم کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مسلمان فقہاء اور مؤرخین نے قبالہ اور ضمان کی اصطلاحات کو خراج کی بحث میں بہت کم استعمال کیا ہے۔ شافعیؒ، مالکیؒ اور حنبلیؒ فقہاء نے اس پر بحث نہیں کی۔ یہاں تک کہ قانون کی ضخیم ترین کتابوں جیسا کہ ابن قدامہ کی "المغنی" یا الرملی المصری کی "نہایۃ المحتاج" ہیں، ان میں قبالۃ الخراج یا ضمان الخراج کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

مشہور لغت نویسوں نے اپنی کتب میں قبالہ کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابن منظور (م ۷۱۱ھ) نے حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ایک حدیث کا حوالہ دے کر بات شروع کی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

إياكم والقبالات فإنها صغار وفضلها ربا

"القبالات (قبالہ کی جمع) سے دور رہو۔ کیونکہ اس میں عجز و نیاز پایا جاتا ہے۔ اور اس کا منافع ربا ہے۔"[1]

ابن منظور کا موقف یہ ہے کہ قبالہ کفالہ (ضمانت) کی ایک شکل ہے[2]۔ الشربینی (م ۱۰۸۵ھ) اور الزمخشری (م ۵۳۸ھ)، دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ قبالہ، ضمانت کا نام ہے۔ لیکن یہ ایک فرض بھی ہے اور معاہدہ بھی کہ ایک کام کا ذمہ لیا جاتا ہے[3]۔

لغت نویسوں نے جو تعریفیں متعین کی ہیں وہ انتہائی مبہم ہیں۔ اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ لغت نویس ضمان الخراج کا ذکر نہیں کرتے جس کی طرف فقہاء نے کافی توجہ دی ہے۔

مسلمانوں کی فتوحات سے قبل بزنطینی سلطنت اور ساسانی مملکت میں یہ دستور تھا کہ سرکاری خزانے کی طرف سے مقامی آبادیاں مقررہ وقت پر تمام مطلوبہ لگان کی ادائیگی کی ذمہ دار سمجھی جاتی تھیں۔ تاہم بعض اوقات بہت سے افراد فوری طور پر نقد مالیہ ادا کرنے سے قاصر رہتے تھے۔ ان حالات میں مقامی باشندوں اور انتظامیہ میں ایک اقرار نامہ طے پاتا تھا جس کی رو سے ایک اہم شخص یا رئیس اپنی طرف سے مطلوبہ رقم ادا کر دیتا اور پھر وہ یہ رقم رعایا سے وصول کرتا۔ یہ طریقہ کار اجارہ قبالہ کہلاتا تھا، پیش کش کو تقبیل اور نامزد شخص کو متقبل کہتے تھے۔

لاک گارڈ (LOKKE GAARD) کا موقف یہ ہے کہ ٹیکسوں کی وصولی کے ضمن میں ٹھیکیداری کا نظام رومن دنیا سے بغیر کسی اہم اور قابل ذکر تبدیلی کے لیا گیا ہے [۴]

ٹیکسوں کی وصولی کا ٹھیکیداری نظام بنوامیہ کے دور میں شروع ہوا اور عباسی سلطنت میں اس کو عروج حاصل ہوا۔ مصر میں ٹھیکے باقاعدہ نیلام کے ذریعے دیے جاتے تھے۔ ٹھیکیدار ایک مقررہ رقم پہلے ہی یکمشت یا قسطوں کی صورت میں ادا کر دیتا اور وہ مزارعین پر نئے ٹیکس لگانے کا حق دار ہوتا [۵]

الجہشیاری (م ۳۳۱ھ) نے لکھا ہے کہ اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے دور میں ایک شخص جس کا نام فروج تھا، اس نے دریائے روم کے کنارے زمین کے کئی ٹکڑے قبالہ کے طور پر لیے۔ بعد ازاں عراق کے گورنر اور فروج کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی جس کے نتیجہ میں عراق کے گورنر نے ایک شخص حسن النبطی کو کہا کہ وہ فروج کے قبالہ سے زیادہ رقم کی پیش کش کرے اور اس سے لے کر خود سنبھال لے۔ فروج سے قبالہ لینے میں کامیاب ہونے کے بعد، عراق کے گورنر اور حسن النبطی کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی، جس میں انجام کار گورنر کو اپنے عہدہ سے معزول ہونا پڑا [۶] یہی الجہشیاری بیان کرتا ہے کہ ۸۰۳ء میں برامکہ کی تباہی کے بعد ہارون الرشید نے فارس کے خراج کی وصولی کے لیے ایک ایجنٹ مقرر کیا تھا [۷] المقریزی (م ۸۴۵ھ) بیان کرتا ہے کہ ۱۸۶ھ میں جبکہ ہارون الرشید کا دور تھا، مصر کے امیر اللیث بن الفضل بیرودی کو ایک بغاوت سے دوچار

ہو نا پڑا۔ اللیث نے اپنی فوجوں کے ساتھ بغاوت پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا چنانچہ اس نے ہارون الرشید کو یہ خط تحریر کیا کہ وہ خلیفہ کی طرف سے بھیجی گئی فوجی امداد کے بغیر مصر کا خراج اکٹھا نہیں کر سکتا محفوظ بن سالم نے یہ سن کر کہا کہ وہ مصر کا خراج بغیر ایک چھڑی یا کوڑا مارے اکٹھا کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔ چنانچہ ہارون الرشید نے اللیث کو برطرف کر دیا اور ابن سالم کو مصر کا امیر مقرر کر دیا[۸]

مامون الرشید کے دور میں باقاعدہ سرکاری اعلان جاری ہوا کہ کسی شخص کو دیا ہوا ٹھیکہ منسوخ نہیں کیا جائے گا۔ بشرطیکہ متقبل اپنے ذمہ واجبات بروقت ادا کر دے[۹]

مقتدر باللہ (۹۰۸ء/ ۲۹۵ھ) کے عہد حکومت میں قبالہ سب سے زیادہ رقم کی پیش کش کرنے والے کو دیا جاتا تھا۔ بہرحال ابن مکسویہ (م ۴۲۱ھ) نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جب خلیفہ کے ایجنٹ نے لوگوں پر سے بوجھ کو کم کرنے کے لیے ایک ایسے شخص کو ٹھیکہ دیا جس نے کم رقم کی پیش کش کی تھی[۱۰]

ضمان کی منظوری اکثر سیاسی عہدوں بشمول عہدہ وزارت کے حصول کے ساتھ جزو لاینفک کی حیثیت سے رہی ہے۔ ابن مسکویہ مثال دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ وزیر ابن الفرات اپنی زیر قیادت رسالہ (یعنی سپاہیوں کا دستہ) کو تنخواہ دینے کے قابل نہیں تھا۔ اور انہوں نے بغاوت کر دی۔ اس نے خلیفہ المقتدر کو لکھا کہ وہ رسالہ کو صرف ایک لاکھ درہم ادا کر سکتا ہے۔ اس لیے ایک لاکھ درہم کی رقم اور بھیجی جائے۔ مقتدر باللہ اس درخواست سے ناراض ہو گیا اور اسے یہ لکھا کہ جب ابن الفرات نے وزارت کے اخراجات کی ضمانت دی تھی تو اس وقت یہ توقع کی گئی تھی کہ وہ اپنے اخراجات خود چلائے گا اور یہ کہ ابن الفرات نے جو رقم مانگی ہے وہ غیر متوقع ہے[۱۱]

متعدد فقہاء نے قبالہ کی صورت میں ٹیکسوں کی وصولی سے منع کیا ہے۔ اس ممانعت کی مسلمہ وجہ یہ ہے کہ اس طرح ٹیکسوں کی وصولی مزارعین کے ناجائز انتفاع کو آسان کر دیتی ہے۔ یہ ریاست کے ذرائع آمدن کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الحق کہتے ہیں کہ مسلم فقہاء نے ٹھیکہ کے ذریعے ٹیکسوں کی وصولی کو ربا الفضل کی ایک شکل قرار دیا ہے[۱۲]

قبالہ کے ضمن میں قدیم ترین بحث ہمیں کتاب الخراج میں ملتی ہے۔ ٹیکسوں کی وصولی کے ضمن میں امام ابو یوسفؒ نے زیادہ زور اس بات پر دیا ہے کہ حکومت کی طرف سے براہِ راست ایسے افراد مقرر کیے جائیں جن کی حیثیت ایک عامل کی ہو، چنانچہ انہوں نے ٹھیکہ کے نظام کی مخالفت کی ہے۔ ان کے نزدیک، ٹھیکہ داری کا نظام بدعنوانی کی ایک بدترین شکل ہے۔ امام ابو یوسفؒ، ہارون الرشید پر زور دیتے ہیں کہ وہ سواد اور عراق کی زمینوں اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے صوبوں میں بھی زمینوں کو ٹھیکہ پر دینے کی پالیسی کو ترک کر دے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ورأيت ان لا تقبل شيئا من السواد ولا غير السواد من البلاد فان المتقبل إذا كان فى قبالته فضل عنه الخراج عسف اهل الخراج وحمل عليهم ما لا يجب عليهم وظلمهم وأخذهم بما يجعف بهم ليسلم مما دخل فيه ـ وفى ذلك وامثاله خراب البلاد وهلاك الرعية ـ والمتقبل لا يبالى بهلاكهم بصلاح أمره فى قبالته ـ ولعله أن يستفضل بعد ما يتقبل به فضلا كثيرا، وليس يمكنه ذلك إلا بشدة منه على الرعية وضرب لهم شديد، وإقامته لهم فى الشمس، وتعليق الحجارة فى الأعناق، وعذاب عظيم ينال اهل الخراج مما ليس يجب عليهم من الفساد الذى نهى الله عنه ـ انما أمر الله عز وجل أنه يؤخذ منهم العفو ـ وليس يحل ان يكلفوا فوق طاقتهم ـ وإنما أكره القبالة لأنى لا آمن أن يحمل هذا المتقبل على اهل الخراج ما ليس يجب عليهم فيعاملهم بما وصفت لك فيضر ذلك بهم فيخربوا ما عمروا ويدعوه فينكسر الخراج ـ وليس يبقى على الفساد شئ ولن يقل مع الصلاح شئ[٣٤]

"میری رائے یہ ہے کہ آپ سواد یا دوسرے علاقوں کی کسی زمین کو ٹھیکہ پر نہ دیجئے۔

ٹھیکہ دار کو اگر اپنی عمل داری میں خراج کے بعد کچھ بھی فاضل بچتا نظر آتا ہے تو وہ اہل خراج پر ظلم و زیادتی کرتا اور ان پر ایسے بار ڈالتا ہے جو ان پر نہیں پڑنے چاہئیں۔ وہ اپنے ذمہ (سرکاری) رقم کی ادائیگی کی خاطر ان لوگوں پر اتنا بوجھ ڈال دیتا ہے جس سے ان کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ اس طرز عمل میں رعایا کی ہلاکت اور سارے علاقوں کی تباہی اور ویرانی مضمر ہے۔ ٹھیکہ دار اپنے ٹھیکہ کو بحال رکھنے کے لیے اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ رعایا کو کتنی تباہی سے سابقہ پڑ رہا ہے۔ گمان غالب یہی ہے کہ لوگ ٹھیکہ کی سرکاری رقم ادا کر دینے کے بعد بھی خاصی رقم بچا لیتے ہیں، اور ظاہر ہے ایسا صرف اس شکل میں ممکن ہے جبکہ یہ رعایا سے سختی کے ساتھ پیش آئیں، انکو خوب ماریں، دھوپ میں کھڑے رہنے کی سزا دیں اور گردنوں میں پتھر لٹکائیں مختصر یہ کہ اہل خراج کو ناحق بڑے عذاب سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ملک میں ایسا فساد برپا ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں روکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان سے ان کی ضرورت سے فاضل مال لیں۔ ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بار ڈالنا کسی طرح جائز نہیں۔ میں ٹھیکہ کے طریقہ کو اسی لیے ناپسند کرتا ہوں کہ مجھے یہ اطمینان نہیں کہ ٹھیکہ دار اہل خراج پر بے جا بار نہ ڈالے گا اور ان سے وہ سلوک نہ کرے گا جس کی تفصیل میں نے اوپر بیان کی ہے۔ اس سلوک سے رعایا کو نقصان پہنچے گا اور جن علاقوں کو انہوں نے آباد کر رکھا ہے اسے یہ تباہ کر کے چھوڑ کر چلے جائیں گے جس کے نتیجہ میں خراج کی آمدنی بھی کم ہو جائے گی۔ فساد پھیلایا جائے گا تو کچھ بھی باقی نہ رہے گا اور بھلے طریقہ سے کام چلایا جائے گا تو کوئی کمی واقع نہ ہوگی"

امام ابو یوسفؒ اس ضمن میں قانونی منطق سے کام لیتے ہیں جو کہ حقیقی اعمال سے تعلق رکھتی ہے اور کہتے ہیں کہ ایسا واقع ہوتا ہے کیونکہ ٹھیکہ دار تو مجبور ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاہدہ کو (یعنی ٹھیکے کو) زیادہ سے زیادہ کامیاب بنائے۔ اس طرح کاشتکار طبقہ تو فنا ہو جاتا ہے لیکن ٹیکس وصول کرنے والے کو اس کی اس تباہی و بربادی سے کم تعلق ہوتا ہے۔ اس کو صرف ایک ہی فکر لاحق ہوتی ہے کہ وہ اپنے منافع کو کئی گنا کیسے بڑھا سکتا ہے۔ اور ایسا کرنا ممکن نہیں ہوتا (یعنی منافع کو کئی گنا بڑھانا)

سوائے اس کے کہ وہ غریب کاشتکاروں پر ظلم وستم کرے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اسطرح ریاست کی آمدنی میں بھی کمی واقع ہوتی ہے۔ آپ واضح کرتے ہیں کہ اس بدعنوانی اور استحصال کو قرآن نے بھی منع کیا ہے۔ امام ابو یوسفؒ زور دے کر یہ بات کہتے ہیں کہ کاشتکار طبقہ کے اس ناجائز انتفاع کا کوئی قانونی جواز نہیں ہے۔

کتاب الخراج کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ٹھیکہ داری کا یہ نظام بڑا محکم اور مضبوط تھا۔ اسی لیے امام ابو یوسفؒ نے واضح کیا ہے کہ بعض حالات میں اس نظام سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے لیکن بہر حال اس کے لیے کچھ اصول وضوابط مقرر کرنے ہوں گے۔

چنانچہ امام صاحب فرماتے ہیں:

وإن جاء أهل طسّوج أو مصر من الأمصار ومعهم رجل من البلد المعروف موسر فقال: أنا أتضمن عن أهل هذا الطسُّوج أو أهل هذا البلد خراجهم ورضواهم بذلك فقالوا: هذا أخف علينا. نظر في ذلك: فان كان صلاحا لأهل هذا البلد والطسوج قبل وضمن وأشهد عليه وصير معه أميرًا من قبل الإمام يوثق بدينه وأمانته، ويجرى عليه من بيت المال. فان أراد ظلم أحد من أهل الخراج أو تحميله شيئا، لا يجب عليه، منعه الأمير من ذلك أشد المنع[۱]

"اگر کسی ملک یا علاقہ کے باشندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور ان کے ہمراہ اس جگہ کا کوئی خوش حال اور معروف آدمی بھی ہو جو آپ سے کہے کہ میں اس علاقہ یا ملک کی طرف سے اس کے خراج کی ادائیگی کا ذمہ لیتا ہوں اور وہاں کے باشندے اس پر رضامندی ظاہر کریں اور کہیں کہ یہ شکل ہمارے لیے زیادہ سہولت کا باعث ہوگی تو آپ کو اس معاملہ پر غور کرنا چاہیے۔ اگر اس شکل کے اختیار کرنے میں اس ملک یا علاقہ والوں کا فائدہ نظر آئے تو اس آدمی کو ٹھیکہ دے دینا چاہیے۔ اور اسے ذمہ دار تسلیم کر کے متعدد افراد کو اس معاہدہ پر گواہ ٹھہرالینا چاہیے۔

نیز اس فرد کے ہمراہ امام کی جانب سے مقرر کردہ ایک امیر بھیجا جائے جس کی امانت و دیانت پر پورا بھروسہ ہو۔ اس امیر کو بیت المال سے مشاہرہ دیا جانا چاہیے۔ امیر کا کام یہ ہوگا کہ اگر یہ شخص اہل خراج میں سے کسی پر بھی ظلم کرنے، اس کے خراج میں اضافہ کرنے، یا اس پر کوئی ایسا بار ڈالنے کا ارادہ کرے جو اس کے ذمہ نہیں نکلتا تو اسے سختی سے روک دے۔"

حوالہ جات

۱ ابن منظور، "لسان العرب" جلد ۱۱ ص ۴۴۵

۲ ایضاً

۳ الشریحی، "مجمع" جلد ۵، الزمخشری، اساس البلاغہ جلد ۲

۴ Lakke Gaard: Islamic Taxation. P.108

۵ Lakke Gaard: Islamic Taxation. P.111

۶ الجہشیاری، کتاب الوزراء، ص ۳۸

۷ ایضاً، ص ۲۰۴

۸ المقریزی، "الخطط" جلد ۱ ص ۸۰

۹ ایضاً، ص ۴۸

۱۰ ابن مسکویہ، "تجارب الامم" جلد ۱ ص ۶۰

۱۱ ایضاً، ص ۵۶

۱۲ Zia-ul-Haque: Islam and Feudalism. P.127-131

۱۳ ابو یوسفؒ، کتاب الخراج، ص ۱۱۴

۱۴ ایضاً، ص ۱۱۴، ۱۱۵